سرائیکی وسیب میں اُردو کے ابتدائی نمونے

محمد اجمل مہار*
ڈاکٹر قاضی عبدالرحمٰن عابد**

Abstract:

Saraiki Wasaib being the region of great Indus Valley has been the centre of learning. Its oldest city Multan too has been the central of this great Indus civilization. The historical jounery of Multan is the outcome of its educational and literary evloution. The research and linguistic ideologies about the beginning of Urdu has shown that the beginning of Urdu and the process of its construction had taken its brith here in Saraiki Wasaib. The earlier specimen of Urdu language and literature are the proof this fact.

سرائیکی وسیب میں اردو زبان کی لسانی تشکیل کا عمل وادی سندھ میں عربوں کی آمد کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ جس وقت مسلمانوں نے ملتان کو فتح کیا اور یہاں پہلی مسلم حکومت کی بنیاد پڑی تو اس دور میں مسلمان علماء اور صوفیاء کرام نے اسلام کی تبلیغ اور ترویج کے لیے عرب، عراق اور ایران سے ہجرت کر کے سرائیکی وسیب میں مستقل سکونت اختیار کی۔ ان بزرگانِ دین نے دینی درسگاہیں اور علمی مکتب قائم کئے۔ دین اور فقہہ سے متعلق کُتب اور مذہبی رسائل تحریر کئے۔ ان میں زیادہ تر تعداد ان صوفیاء کرام کی تھی۔ جو بول چال میں مقامی زبان استعمال کرتے تھے۔ انہوں نے مذہبی شاعری بھی کی جس میں ہندی عربی، فارسی اور ملتانی زبان کے ملے جلے الفاظ تھے۔ سرائیکی وسیب میں اردو کی لسانی تشکیل کا عمل انہی ابتدائی تحریریں کی وجہ سے ہوا جسے اردو کا ابتدائی ادب بھی کہا جا سکتا ہے۔

سرائیکی وسیب ایک ایسا مردم خیز خطہ ہے یہاں اولیاء اللہ سے لے کر سیاست دانوں اور حاکموں، ادیبوں

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔
** شعبہ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

وشاعروں تک نے اپنے اپنے علمی اور فکری جوہر دکھائے۔حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں:

''علاء الدین خلجی کے عہد میں ملتان کے بڑے بڑے عہدے دار سلطنت کے معاملات میں دخیل ہوئے۔بعض ان میں بڑے بڑے عہدوں تک بھی پہنچے۔مثلاً الپ خاں امیر ملتانی، ملک عین الملک ملتانی، خواجہ حمید الدین، ملک التجاء ملتانی''۔(۱)

ان کے علاوہ درجنوں مشاہیر علماء بھی دربار شاہی سے منسلک رہے۔جن کے فضل وشہرت کا چرچا ہندوستان بھر میں تھا۔ان میں مولانا محبّ ملتانی۔مولانا شہاب الدین ملتانی شامل ہیں۔مولانا محبّ ملتانی کے بارے میں سید ریاست علی ندوی لکھتے ہیں کہ مولانا موصوف اس دینی مدرسے کے ناظم بھی رہے جہاں حضرت بابا فرید گنج شکر دینی علوم سے فیض یاب ہوئے اور جتنا عرصہ اس دینی مدرسے میں تعلیم پاتے رہے۔وہ مقامی زبان ہی بولا کرتے تھے۔(۲)

ساتویں صدی ہجری کے بابا فرید گنج شکر (وفات ۶۶۴ھ ۱۲۶۵ء) سرائیکی (ملتانی) زبان بول چال کے لئے استعمال کرتے تھے۔وہاں اس دور کی اردو زبان بول بھی لیتے تھے۔عنصر صابری نے راحت القلوب کے حوالے سے لکھا ہے کہ بابا فرید ملتان کی مقامی زبان بھی بولتے تھے اور واعظ کیا کرتے تھے تاکہ دین اسلام کے بارے میں سننے والوں کو آگاہی ہو سکے۔لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولانا برہان الدین صوفی ،ابھی ننھے بچے ہی تھے کہ ان کے والد شیخ جمال الدین ہانسوی کا انتقال ہوگیا۔انکی والدہ مادر موموناں اپنے شوہر کی وصیت کے مطابق اپنے بیٹے خواجہ برہان الدین کو بیعت کے لئے بابا فرید کے ہاں لے کر چلی گئیں۔بچے کو بابا فرید کی گود میں رکھ کر کہا۔

''خواجہ برہان بالا ہے؟'' (یعنی کم عمر ہے۔روحانی بوجھ کیسے برداشت کرے گا) تو بابا فرید نے اردو زبان میں کہا۔''مادر موموناں، پونوں کا چاند بالا ہوتا ہے'' (یعنی پہلی کا چاند بھی تو بالا ہوتا ہے)(۳)

جواہر فریدی (مطبوعہ ۱۰۳۳ھ) میں بھی ایک اور اسی نوع کا واقعہ لکھا ہے۔جس میں بابا فرید کے اردو زبان میں بات کرنے کا ذکر ہے۔واقعہ اس طرح درج ہے کہ ایک روز شیخ فرید الدین اپنے مرشد حضرت قطب الدین بختیار کاکی کو وضو کرا رہے تھے کہ حضرت کی نظر بابا فرید کے چہرے پر پڑی۔آنکھ پر پٹی باندھی دیکھ کر فارسی میں پوچھا کہ آنکھ پر پٹی کیوں بندھی ہے۔تو بابا فرید نے اردو میں جواب دیا:

''آنکھ آئی ہے''

شیخ بختیار کاکی نے جواب دیا

''اگر آئی ہے۔ایں را چرا بستہ آید''(۴)

اس کتاب میں مولف نے ایک اور واقعہ بھی درج کیا ہے۔جو دلچسپ بھی ہے اور معنی خیز بھی۔لکھتے ہیں

کہ جن ایام میں بابا فرید سرسہ میں ایک ولی اللہ خواجہ عبدالشکور کے مزار پر آتے جاتے رہتے تھے۔گاؤں کے لوگوں کو یہ اشتیاق ہوا کہ وہ مزار پر کیا کرنے جاتے ہیں؟ ایک دفعہ چھپ کر بیٹھ گئے بابا فرید چونکہ کشف رکھتے تھے ان کو لوگوں کے چھپ کر بیٹھنے کا علم ہو گیا وہ ناراض ہو کر کہنے لگے۔

''سرسہ کبھی سرسہ کبھی نرسہ''

پرامید انسان کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ (۵)

الف دنسیم نے اپنی کتاب میں مختلف اوقات میں بابا فرید کے کہے ہوئے اس وقت کی سرائیکی، اردو زبان کے کئی جملے لکھے ہیں۔

۱۔ پونوں کا چاند بھی بالا ہے ۲۔صابر، برو بھوگہا خواہی کرد(بھوگھا بمعنی خوشی، خوشحالی)

۳۔اس ''چندرہ'' کو دعا دیو ۴۔ ماش ہی ہوگا ۵۔خواہ کھوہ کھا۔خواہ دوکھا

۶۔ اسا کیہری یہی سوریت۔جاؤں نائے کہ جاؤں مسیت (۶)

ایک مرتبہ ایک مرید نے بابا فرید سے عقل کا مقام دریافت کیا تو آپ نے فرمایا بیچ سر کے۔ (۷) یہ چھوٹے چھوٹے اردو فقروں سے پتہ چلتا ہے کہ بابا فرید مادری زبان سرائیکی کے ساتھ اردو بھی بولتے تھے۔کیونکہ بابا فرید کا سارا بچپن ملتان ہی میں گزرا۔ بابا فرید کے شلوک اگر چہ دو تین زبانوں کا امتزاج لئے ہوئے ہیں۔مگر اس کے ساتھ مروج زبان اردو میں بھی اشعار کہے ہیں۔مولوی عبدالحق نے ''جھولنا فرید گنج شکر'' کے عنوان سے جو نظم درج کی ہے ان میں سے بابا فرید سے منسوب چند اشعار اس طرح سے ہیں۔

جلی یاد کی کرنا ہر گھڑی یک تل حضور سوں ٹلنا نہیں

اٹھ بیٹھ میں یار سوں شاوہنا واہ وار کو چھوڑ کے چلنا نہیں

پاک رکھ توں دل کو غیر ستی اج سائیں فرید کا آونا ہے

قدم قدیمی کے آوتے سیس لازوال دولت کون پاونا ہے (۸)

میر حسان الحیدری نے لکھا ہے بکر ماجیتی عہد (681ء) میں ''دت'' عرب میں سینکڑوں برس رہے اور واقعہ کربلا میں حضرت امام حسینؓ کا ساتھ دینے کے جرم میں یزیدیوں نے انہیں بلوچ اقوام کے ساتھ سرزمین عراق سے ایران میں دھکیل دیا تھا۔ وہاں سے یہ لوگ ہجرت کر کے ملتان جا آباد ہوئے۔ (۹) اختر وحید نے اپنی کتاب میں وہ کبت درج کئے ہیں جو وہ قیام پاکستان سے پہلے محرم کے دنوں میں گایا کرتے تھے۔جن میں قدیم سرائیکی اور اردو کے الفاظ مستعمل ہیں۔کبت اس طرح ہیں:

سدھ جھوجھا کی انش میں دت نام سلطان ~~~ سدھ ویوگ جو بیر جی عرب کیو استھان

رائے پن پن آتمی کریں دیس جو دھیان ~~~ دھارو، میرو، جو دت ہیں عرب کیو استھان

....

جئے دت جو بیر سار دو ٹوک مچائی　　سب شترو کو مار بیچ ان پھرے دہائی
بجے بھیر کو چوٹ فتح میدان جو پائی　　بدلہ لیا دین کا دھن دھن کرے لوکائی

ترجمہ: سدھ جھوجھا اسم بامسمیٰ بادشاہ کے خاندان میں دت نام کا ایک سلطان تھا۔ جو سدھ یوگ جی کا گدی نشین تھا۔ اس نے عرب کو اپنا مستقر بنالیا۔ اس دت سلطان کی اولاد سے نیک سیرت رائے پن پن، بہادر دہارواور میرو بھی عرب ہی میں قیام پذیر تھے۔ (کہ اموی سلطنت کے ظالموں نے جور وستم کا آغاز کیا) دتوں نے امام برحق کا ساتھ دے کر دشمنوں کو قتل اوران پر خوف طاری کیا۔ جب فتح نصیب ہوئی تو جنگی نقارے اور دنیا امامؑ کو بہادر بہادر کہنے لگی ان کبتوں میں اردو کے الفاظ یہ ہیں جو اس دور میں اردو میں رائج تھے۔

سدھ، کی، الش، سلطان، نام، بیر، جی، استھان، پن (دان)، کریں، دیس دھیان، ہیں، کیو، (کیا) جو (کا)، رن، بجے (وجے) چوٹ مچائی۔ دہائی، بدلہ، لیا، کا کرے، لوک (لوکائی)، لوگ۔ (۱۰)

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی (۱۱۷۰ء-۱۲۶۲ء) کے دور میں ملتان ادیبوں اور شاعروں کا مرکز بن چکا تھا۔ کیونکہ شمس الدین التمش نے آپ کی دینی خدمات کے پیش نظر ''شیخ الاسلام'' کے عہدے پر فائز کر دیا۔ آپ کا قائم کردہ مدرسہ اقامتی یونیورسٹی کا درجہ رکھتا تھا۔ اس میں ملک بھر اور دور دراز ممالک کے طلبہ حصول علم کے لئے جمع ہوتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ملتان کی علمی و ادبی تہذیبی اور لسانی فضا بھی نکھرنے لگی تھی۔ چنانچہ حضرت بہاء الدین زکریا کے مرید شیخ امیر حسینی (وفات ۱۳۱۹ء) نے ملتان میں اپنے قیام کے دوران چار کتابیں تالیف کیں۔ ''نزہت الارواح، اور طرب مجالس، نثر میں یا اس زادالمسافرین اور کنز الرموز نظم میں لکھیں۔ شیخ بہاء الدین زکریا نے ان کتابوں کا مطالعہ کر کے مصنف کو داد تحسین سے نوازا۔ (۱۱)

اس دور میں اُردو ابھی ترقی کی ابتدائی منزلیں طے کر رہا تھا۔ گیارہویں صدی عیسوی میں حضرت بہاء الدین زکریا نے مخدوم حمید الدین حاکم کو ایک منظوم خط لکھا جس میں ایک دوہا بھی منقول ہے۔ جو ان کا اپنا کہا ہوا ہے۔ اس میں اردو اور سرائیکی الفاظ کا اشتراک دیکھیں:

حاکم آپ ہیں حکم آپ وچار
جے دن گانوں سے کئی ولہر ولار
جے دن لدھیا مندے نہ ہار
جنئیں ٹانگ نہ تو لہا سے
کیوں کر لنگھسن پار (۱۲)

حضرت موسیٰ نواب کے خلیفہ خاص حضرت قبول فقیر بارہویں صدی عیسوی میں ہو گزرے ہیں انہوں

نے حلیہ مبارک، سرائیکی (ملتانی) اور اردو کے اشتراک سے لکھا ہے۔ جس میں فارسی کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔ قبول فقیر کئی سال اپنے مرشد کے آستانے پر حاضر رہے۔ لکھتے ہیں۔

سبھو راز در راز نکتہ بیاں — وہم آدمی دا کیا کرسی بیاں
سنبھالیں قبولا عقل، ہوش کن — نہیں جا تیری توں خاموش کن
امت بخشا ولیا حبیب خدا — کنڈی ہلدی آہی پانی وہند ہا
الٰہی بحرمت محمدؐ رسول — ڈیویں بخش سیتی ایمان قبول (۱۳)

مخدوم سید جلال الدین حسین جہانیاں، جہاں گشت (۷۰۷ھ۔۷۸۵ھ) جو سید جلال الدین سرخ بخاری کے پوتے تھے نے اوچ میں رہ کر اردو زبان و ادب کا مطالعہ کیا۔ محققین نے ان کی تعلیفات کے مطالعہ کے بعد ان کے کلام نظم و نثر سے اردو کے جملے نقل کئے ہیں۔ جو اس دور کی زبان کے ارتقاء کی نشان دہی کرتے ہیں۔

اساں خوجے تساں راجے ہاسے
کھانڈا ہیے بھانڈا کہاں
اتھاں اساڈے ہاڈاں دی خوشبو ہے (۱۴)

اس میں اردو کے الفاظ دیکھیں۔ حاکم، آپ، ہیں۔ حکم، آپ، وچار (بچار) دن، جو، گانوں، کئی، جے، ٹانگ، پار وغیرہ۔ آج بھی یہ الفاظ سرائیکی میں مستعمل ہیں۔ خوجہ برادری کے اولین پیر نور الدین بارہویں صدی عیسوی میں ایران سے ہندوستان میں آئے۔ تقریباً سوا سو سال کے عرصہ میں گجرات (بھارت) سندھ اور ملتان میں اسماعیلی فرقے کی تبلیغ کرتے رہے۔ تبلیغ کے لئے انہوں نے ہندی (اردو) سندھی، گجراتی میں منظوم ہدایات اور نصائح کو استعمال کیا۔ جنہیں اس فرقے کی اصطلاح میں گنان کہا گیا۔

سید نور الدین (۱۱۴۰ء۔۱۲۶۴ء) کا اصل نام سید صلاح الدین محمد نور بخش تھا۔ سید نور الدین کو ست گرُو رُ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ آپ اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھتے تھے جو ایران سے اپنے مکتب فکر کی تبلیغ کے لیے سندھ، ملتان اور گجرات اور حیدر آباد، دکن گئے۔ پیر نور الدین کے گنان اُردو کی ابتدائی صورت تصور کئے جاتے ہیں۔

کلمہ کہو رے مومنو تمے مت جاؤ رے بھول — راہ علی بنی جی کی ساچ ہے اے ہوو کے سدا قبول
اے جی آل نبیوں تم کوں بھیجا اس دنیا کے بیچ — نماز بندگی کلمہ ہے، اے ہے نعمت پنج (۱۵)

سید شمس الدین سبزواری (۱۱۶۵ء۔۱۲۷۶ء) سبزوار سے ملتان آئے آپ نے بھی اسماعیلی نظریات اور عقائد کی تبلیغ کے لیے گنان کہے جو یہاں اُردو کا ابتدائی نمونہ قرار دئے جاتے ہیں۔

اے جی سچا میرا خالق سرجن ہار
آپے اُپایا شاہ دھند ھو کار

اے جی نبی محمد خدا کا پیارا

پیر صدرالدین ۱۲۶۶ء میں اپنے دادا پیر شمس الدین کے ساتھ سبزوار سے ملتان آئے۔ مرزا قلیچ بیگ نے آپ سے منسوب گنانوں کو اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ ان گنانوں میں بھی اردو کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

کوٹا (کوٹھا) منڈپ، ماڑیاں، گھر، گھوڑا پنڈار
کوئی نہ بنا پان سین چیو چلتی وار (۱۶)
پٹی پیر صدر الدین کی سنو مومن ویر
الکھ چپو تیں کیہ جن سنجائیو شاہ پیر (۱۷)

پیر حسن کبیر الدین آٹھویں صدی کے آخر اور نویں صدی ہجری کے آغاز کے نامور اسماعیلی پیروں میں سے ہیں۔ ان کے نام سے منسوب گنان اس طرح ہے۔

ہے گنہگار بندہ بھی تیرا تمے چھو بخشنڑں ہار جی
سروے جیو تماری سر یوائے لاگا تمے چھونر اوتار (۱۸)

ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ نے خوجہ برادری کے حوالے سے لکھا ہے کہ پیر صدرالدین نے اپنے مریدوں کی سہولت کے لئے اور لسانی پہچان کی خاطر ایک الگ رسم الخط تیار کیا تھا۔ مگر نامعلوم وجوہات کی وجہ سے وہ رسم الخط نافذ نہ ہوسکا۔ خوجہ برادری نے اس کی وجوہات کا انکشاف نہیں کیا۔ ڈاکٹر نبی بخش اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

> ''کہا جاتا ہے کہ پیر صدرالدین نے ایک نیا رسم الخط تیار کیا ہے جسے چھل دفی یا خوجکی کہا جاتا ہے۔۔۔۔ پیر صدرالدین کی دعوت کا دائرہ وسیع تھا۔ اس لئے قیاس ہے کہ انہوں نے چالیس حروف پر مشتمل کوئی ایسا رسم الخط تیار کیا ہو جس میں گجراتی۔ ملتانی (سرائیکی) ہندی اور سندھی کے حروف شامل ہوں اور اس رسم الخط میں گنان لکھے ہوں۔ تاہم اس دعویٰ کی تصدیق کی ضرورت ہے''۔ (۱۹)

خواجہ محمد سلیمان تونسوی (۱۷۶۹ء-۱۸۵۰ء) چشتیہ نظامیہ کے بزرگ صوفی تھے۔ آپ کے چند اشعار آپ کے ملفوظات سے ملتے ہیں۔ یہ سرائیکی، اُردو اور ہندی کے ملے جلے الفاظ پر مشتمل ہیں۔

دودھ کا دودھ پانی کا پانی کچری بیچ کی بچھو تانی
مجھ مرگئی جل سُک گئے، پنکھی رہے کُرلا گھٹی پڑی پریت کی چن چن کا گرکھا (۲۰)

غیاث الدین بلبن کا بیٹا سلطان محمد (بغراں خان) ۱۲۸۰ء میں جب حاکم ملتان بن کر ملتان آیا تو اس کے گرد جہاں علماء فضلا بھی آئے وہاں فارسی اور اردو کے شعراء بھی دہلی سے ملتان وارد ہوئے۔ اس طرح ملتان کی علمی و ادبی حلقوں میں اضافہ ہوگیا۔ پھر بغراں خان ان لوگوں کی قدردانی بھی بہت کرتا تھا۔ شہزادے کی قدردانی اور حوصلہ

افزائی نے اس علاقے کے ادیبوں اور شاعروں کو دارالحکومت کی طرف کھینچ لیا۔ چنانچہ ملتان علم و ادب کا گہوارہ بن گیا۔

امیر خسرو (۱۲۵۳ء۔۱۳۲۵ء) اپنی ذہانت، فطانت اور لطافت کی بنا پر ہر دل عزیز تو تھا ہی مگر اردو و فارسی شاعری میں بھی وہ یکتا تھا۔ ہندی، فارسی آمیز غزلوں کو تذکرہ نگار اردو کی اولین شکل قرار دیتے ہیں۔ ان کی ایک غزل کے چند اشعار اس طرح ہیں۔

زحال مسکین مکُن تغافل ورائے نیناں برائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کا ہے لگائے چھتیاں
کہے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو، عاری بتیاں (۲۱)

امیر خسرو کے پیر بھائی اور محبّ امیر حسن سجزی بھی امیر خسرو کے ساتھ پانچ سال تک ملتان میں قیام پذیر رہے۔ وہ فارسی غزل گوئی میں ''سعدیٔ ہند'' کہلاتے تھے۔ انہوں نے ملتان کی قدیم اردو شاعری جسے ریختہ کہا جاتا ہے۔ میں نمایاں اضافہ کیا۔ دربار شاہی میں مشاعروں کا اہتمام بھی ہوتا تھا۔ ان کی ایک غزل تذکرہ میں ملتی ہے۔ جو ملتان کی قدیم اردو شاعری میں اضافہ کرتی ہے۔

ہر لحظہ آید دلم دیکھوں اسے ٹک جائے کر　　گویم حکایت ہجر خود باں صنم جیولائے کر
آن سیم تن گوید مرا در کوئے ما آئی چرا　　ماہی صفت تڑپھوں پڑا جو ٹک نہ دیکھوں جائے کر (۲۲)

ستارہویں صدی عیسوی میں اُردو زبان پوری طرح نکھر چکی تھی۔ اگرچہ اس دور میں فارسی اور عربی کے الفاظ جذب ہو چکے تھے۔ پھر بھی ہندی اور سنسکرت کے الفاظ بھی کہیں کہیں نظر آتے ہیں۔ اس دور میں ملتان کے نواحی قصبے میں ایک بلند آہنگ صوفیانہ آواز اُبھری وہ علی حیدر ملتانی کی تھی۔ علی حیدر کے سرائیکی ابیات پہلی بار ۱۸۷۰ء میں طبع ہو چکے ہیں۔ علی حیدر ملتانی کے چند اُردو اشعار اس طرح ہیں۔

کدا یا خدا توں خدائی تیری　　رعیت اساں بادشاہی تیری
سفر تھوں زیادہ جدائی تیری　　شکر تھوں زیادہ تھائی تیری
یہ از باتشاہی گدائی تیری　　گیا آگے جد ورائی تیری (۲۳)

پندرھویں صدی عیسوی میں برہان پور میں پیدا ہونے والے شیخ علی متقی سلوک کی منزلیں طے کرنے کے لئے تصوف کے گڑھ ملتان کے شیخ حسام الدین متقی ملتانی کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے دو سال تک ملتان میں قیام کیا۔ وہ تصوف کے حوض کے شناور تو تھے ہی۔ شاعری بھی کرتے تھے۔ سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب میں ان کا ایک اردو شعر نقل کیا ہے۔

سن سہیلی پرم کی مامتا
یوں مل رہے جیوں دودھ بناتا (۲۴)

مسعود حسن شہاب کے مطابق بہاولپور میں اردو زبان کا آغاز اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط میں ہوتا ہے۔نواب بہاول خان اول کے عہد (۱۷۷۶ء۔۱۸۰۹ء) میں بہاولپور میں اُردو شناسی کے واضح شواہد ملتے ہیں کیونکہ اس دور میں صوفیاء ومشائخ جن کی مادری زبان اُردو تھی۔ان میں ملوک شاہ بھی تھے جو دہلی کے رہنے والے تھے۔اٹھارویں صدی عیسوی کے ربع اول بہاولپور میں ان کی آمد کا زمانہ ہے۔(۲۵)

''ذکر اکرام'' کے مولف مولوی حفیظ الرحمٰن حفیظ نے ملوک شاہ کا واقع درج کیا ہے۔''حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی (جو اپنے دوران سیاحت جب کبھی بہاولپور تشریف لائے) آپ (ملوک شاہ) سے ملاقات کے دوران، آپ سے دریافت کیا! شاہ صاحب کیا حال ہے؟ جواب میں آپ نے فرمایا کہ اس پلید کو کتوں کے ساتھ کھلا یا، آگ میں جلایا، پانی میں ڈبویا مگر یہ کس طرح سیدھا نہیں ہوتا۔(۲۶) اٹھارویں صدی عیسوی میں خواجہ حافظ جمال ملتانی کے مرید منشی غلام حسن قادر الکلام شاعر ہو گزرے ہیں خوش نویسی میں نمایاں مقام حاصل تھا۔ڈاکٹر طاہر تونسوی نے ان کے بارے میں ایک روایت نقل کی ہے کہ وہ دیوان ساون مل کے منشی تھے۔جو سکھوں کے عہد میں ملتان کا گورنر تھا۔۱۸۴۵ء میں ایک انگریز سپاہی نے حملہ کر کے شہید کر دیا۔وہ فارسی، عربی، ہندی اور اردو، سرائیکی میں شعر کہتے تھے۔اردو اور سرائیکی میں ''گامن'' تخلص لکھتے تھے۔ان کا اردو قلمی دیوان موجودہ سجادہ نشین کے پاس محفوظ ہے۔ان کے کلام میں تصوف کا گہرا رچاؤ ہے۔تاہم ان کی دو نعتوں کے چند اشعار درج کر رہے ہیں:

تجلی تیری ذات کا سو بہ سو ہے　　جدھر جا کے دیکھا ادھر تو ہی تو ہے
جمال خدا گر نہیں تم نے دیکھا　　محمدؐ کو دیکھو وہی ہو بہو ہے
ترے در کو مسکین حسن کیونکر چھوڑے　　غلامی تیری مجھ کو طوق گلو ہے (۲۷)

ان اشعار میں حافظ جمال اللہ نے اردو زبان کے ساتھ علاقائی زبان سرائیکی کے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں۔جس سے نعت کی خوبصورتی میں دو چند اضافہ ہوا ہے۔اردو زبان کے فروغ میں صوفیاء کرام نے واعظ وتبلیغ کے ذریعے بہت بڑا حصہ ڈالا ہے۔مذکورہ بالا کلام کی صحت سے عیاں ہوتا ہے کہ خطۂ ملتان میں اردو زبان کس طرح فروغ پا رہی تھی۔دراصل کسی مذہب، مسلک یا تحریک کی نشر واشاعت کے نظریات واصول دوسروں تک پہنچانے کے لئے ایک ایسی جگت بھاشا کا سہارا لینا پڑتا ہے جس سے ان کے مخاطب آسانی سے سمجھ سکیں۔چنانچہ صوفیا کرام نے پہلے اس علاقے کی زبان پر عبور حاصل کیا پھر لوگوں تک اپنا مدعا پہنچایا۔

ملتان میں مولانا محمد خیر دین صابر ملتانی نامور شاعر وادیب ہو گزرے ہیں۔آپ ۱۸۶۷ء کو ملتان میں پیدا ہوئے۔آپ صاحبِ دیوان بھی تھے۔ان کا کلام نظم ونثر میں ملتا ہے۔آپ تاریخ اور ادب میں کافی مہارت رکھتے تھے۔صابر ملتانی کا اُردو دیوان بھی طبع ہوا ہے۔ان کی تعلیم معمولی تھی مگر شعر وشاعری کا شوق زیادہ تھا۔داغ

دہلوی سے بذریعہ خط وکتابت اصلاح لیا کرتے تھے۔مولانا محمد عبیداللہ چشتی ملتانی کے شاگردِ خاص تھے۔

انیسویں صدی عیسوی اُردو کی ادبی تحریکوں کے اثرات کا دور ہے۔لکھنو اور دہلی ان کے خاص مراکز تصور کیے جاتے ہیں۔ان تحریکوں کا اثر ملتان کے ادبی حلقوں پر بھی پڑا۔صابر ملتانی اور خواجہ غلام فرید کی اُردو غزلوں میں مجازی رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔پروفیسر عبدالباقی رقم طراز ہیں:

''خواجہ غلام فرید اور صابر ملتانی کی غزلوں میں لکھنوی دبستان بدرجہ اُتم موجود ہے۔ دونوں محمد رفیع سودا اور امام بخش ناسخ جیسے معروف شعراء سے متاثر نظر آتے ہیں۔''(۲۸)

ہے ناسخ و سودا میرے دیوان پر قرباں
اس ملک میں ہے کون کہ نظم اپنی کو سمجھے **(خواجہ غلام فرید)**

ناسخ و سودا بہت حیراں ہوں — کہ پڑھیں صابر کے یہ اشعار
دیکھتے ناسخ و سودا ترا دیوان صابر — ہو اپنا دیوان تیرے دیوان پر قربان کرتے **(۲۹)**
(صابر ملتانی)

ان شعراء اور نثر نگاروں کے علاوہ اور لاتعداد ادیب اور شاعر ہو گزرے ہیں جنہوں نے خطہ ملتان میں مذہبی،فقہی،سیاسی اور سماجی علوم پر مبنی لاتعداد قصے اور مثنویاں اردو میں لکھی گئیں۔

اُردو زبان کی ابتداء وارتقاء سے متعلق کی جانے والی تحقیق اور مختلف ماہرین لسانیات کے نظریات سے جو بات سامنے آتی ہے ان کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُردو کی ابتدا اور تشکیل کا عمل وادیٔ سندھ میں ہوا۔آریائی گروہوں سے لے کر مسلمانوں کی آمد کا تسلسل مغرب سے مشرق کی جانب تھا اور متحدہ ہندوستان میں ان کا پہلا ٹھہراؤ سرائیکی وسیب ہی تھا۔یوں سرائیکی وسیب وہ خطہ ہے جہاں مسلمان سندھ کے بحری راستے اور مغرب سے ایران وافغانستان سے خشکی کے راستے سے دارالحکومت ملتان پہنچے اور اپنی پہلی حکومت قائم کی۔یوں مسلمانوں کی زبان عربی اور فارسی اور مقامی باشندوں کے اختلاط سے ایک نئی زبان کا ابتدائی ڈھانچہ تیار ہونے لگا۔یہاں سے یہ زبان ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں پہنچی۔یوں سرائیکی وسیب میں اُردو کی ابتدائی تحریر اس بات کی واضح مثال ہے کہ اُردو اور سرائیکی (ملتانی) دونوں زبانوں نے ساتھ ساتھ ترقی کی اور دونوں زبانوں کا لسانی اشتراک ہی نہیں بلکہ ادبی تعلق بھی گہرا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمود شیرانی،''حافظ پنجاب میں اُردو''،مکتبہ معین الادب،لاہور، ۱۹۲۸ء،ص ۶۶
۲۔ ندوی،ریاست علی،سید،''عہد اسلامی کا ہندوستان''،ادارہ مصنفین،پٹنہ، ۱۹۵۰ء ص ۴۰
۳۔ نظام الدین اولیاء،''راحت القلوب''(مرتبہ)،فارسی،مترجم:عنصر صابری،پروگرائیسو بکس،لاہور،۱۹۹۴ء،ص ۱۸۵
۴۔ اسحاق،بدرالدین خواجہ،جواہر فریدی،مترجم،مولانا علی اصغر چشتی،ملک چنن دین اینڈ سنز،لاہور،۱۹۴۲ء،ص ۲۸۱

۵۔ ایضاً،ص:۲۷۵
۶۔ نسیم،الف،د،ڈاکٹر،''اُردوئے قدیم اور چشتی صوفیاء''،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،۱۹۹۷ء،ص ۵۶
۷۔ رفیعہ سلطانہ،ڈاکٹر،''اُردو نثر کا آغاز وارتقاء''،کریم سنز،کراچی،۱۹۹۷ء،ص ۳۷
۸۔ عبدالحق،مولوی،''اُردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیاءِ کرام کا حصہ''،انجمن ترقی اُردو،کراچی،۲،۱۹۷ء،ص ۱۱
۹۔ حسان الحیدری،میر،''تاریخ ادبیات،مسلمانان پاک وہند''،مشمولہ،سرائیکی ادب،جلد۱۴،دانش گاہ پنجاب،لاہور، ۱۹۷۱ء،ص ۲۶۴
۱۰۔ اختر وحید،''دُر گوہر''،جلد دوم،سرائیکی ادبی بورڈ،ملتان،۲۰۱۰ء،ص ۲۲
۱۱۔ صباح الدین عبدالرحمٰن،''تذکرہ اولیا کرام''،دبستان ادب،لاہور،۱۹۹۵ء،ص ۱۲۷
۱۲۔ حسان الحیدری،میر،''تاریخ ادبیات،مسلمانان پاک وہند''،ص ۲۶۶
۱۳۔ قبول فقیر،مجموعہ''حلیہ مبارک ومعراج نامہ''،ملتان،۱۸۹۰ء،ص ۱۶
۱۴۔ عذرا شوذب،ڈاکٹر،''ملتان میں اُردو نثر کا آغاز وارتقاء''،بزم ثقافت،ملتان،۲۰۰۹ء ص ۸۳
۱۵۔ الواعظ،اعتمادی نور دین حسین بخش و برادران،محققین ومرتبین،''گنان شریف''،جلد دوم،شیعہ امامی اسماعیلی ایجوکیشن بورڈ،کراچی،۲۰۰۴ء،ص ۶۹
۱۶۔ روبینہ ترین،ڈاکٹر،''شاہ شمس سبزواری،احوال وآثار''،دانش گاہ،شعبہ سرائیکی،ملتان،۲۰۰۷ء،ص ۸۳
۱۷۔ قلیچ بیگ،مرزا،''تحفۃ اسماعلیہ''،سندھی سنگت،حیدرآباد،۱۹۲۲ء،ص ۸۷،۸۸
۱۸۔ ''اسماعیلی تعلیمات،گنان شریف''،شیعہ امامی،اسماعیلہ ایسوسی ایشن پاکستان،کراچی،۱۹۸۲ء،باردوم،ص ۱۱
۱۹۔ روبینہ ترین،ڈاکٹر،''ملتان کی ادبی اور تہذیبی زندگی میں صوفیاءِ کرام کا حصہ''،بیکن بکس،ملتان ۲۰۱۱ء،ص ۳۴۰
۲۰۔ بلوچ،نبی بخش خان،ڈاکٹر،''سندھی زبان وادب کی تاریخ''،ترجمہ: شذرہ سکندری،سندھی ادبی بورڈ،جام شورو،حیدر آباد،۲۰۰۹ء،ص ۱۵۴
۲۱۔ سلیمان ندوی،سید،''نقوش سلیمانی''،ادارہ ترقی ادب،کراچی،۱۹۵۱ء،ص ۵۵
۲۲۔ حنیف چوہدری،ڈاکٹر،''علی حیدر کا اسلوبیاتی تنوع اور تمدنی شعور''،کتاب نگر،ملتان ۲۰۱۶ء،ص ۱۰۰
۲۳۔ طاہر تونسوی،ڈاکٹر،''ملتان میں اُردو شاعری''،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۱۹۸۴ء،ص ۲۸
۲۴۔ سلیمان ندوی،سید،''نقوش سلیمانی''،ص ۵۵
۲۵۔ شہاب،مسعود حسن،''بہاولپور میں اُردو''،اُردو اکیڈمی،بہاولپور،۱۹۸۳ء،ص ۵۷،۵۸
۲۶۔ حفیظ،حفیظ الرحمٰن،''ذکر اکرام''،عزیز المطابع،بہاولپور،۱۹۴۲ء،ص ۵۰
۲۷۔ روبینہ ترین،ڈاکٹر،''مذکور''،ص ۳۹۰
۲۸۔ صابر ملتانی،محمد خیر الدین،مولوی،''یادگار صابر''،ترتیب وتحقیق،پروفیسر عبدالباقی،سرائیکی ادبی بورڈ،ملتان،۲۰۱۴ء،ص ۴۳
۲۹۔ ایضاً،ص ۴۴